اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریاں

جناب محمد نجات اللہ صاحب صدیقی ایم۔ اے۔ لکچرر شعبہ معاشیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داریاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، اپنے شہریوں کی اسلامی تعلیم و تربیت، دفاع، دنیا کو حق کی طرف دعوت اور اس سلسلہ میں اگر ضرورت پڑے تو جہاد، اور ملک میں عدل و قسط اور امن و امان کے قیام کے ذریعہ جان و مال کا تحفظ کرنا ہے۔ یہاں ان ذمہ داریوں سے بحث نہیں۔ اس مقالہ میں ہم اسلامی ریاست کی ان ذمہ داریوں کا قدرے تفصیلی جائزہ لیں گے جو خالصتہً معاشی ہیں۔ ان ذمہ داریوں میں کفالتِ عامہ، معاشی ترقی کا اہتمام اور تقسیمِ دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنا شامل ہے۔

۱۔ کفالتِ عامہ

کفالتِ عامہ سے مراد یہ ہے کہ دارالاسلام کے حدود کے اندر بسنے والے ہر انسان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی[۱] کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔ یہ اہتمام اس درجہ تک ہونا چاہیے کہ کوئی فرد ان ضروریات سے محروم نہ رہے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان اور علاج لازماً شامل ہیں۔

---

[۱] ہر وہ ضرورت بنیادی ضرورت ہے جس پر کسی انسان کی زندگی کی بقا کا انحصار ہو۔ شریعت کی کسی نص میں ان ضرورتوں کی صراحت نہیں کی گئی ہے مگر خود یہ اصول نصوص سے ثابت ہے جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔ اس فقرہ میں جن چار ضرورتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی نوعیت یہ ہے کہ ان کی عدمِ تکمیل آدمی کی جان کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے۔ متعلقہ نصوص اور ان کے مطابق عمل کی نظیروں سے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ کم از کم ان ضرورتوں کی تکمیل اس اصول کا لازمی تقاضا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ ہر فرد کو ان ضروریات کی تکمیل کرنے والی اشیاء اور خدمات کی مطلوبہ یا ضروری مقداریں بہم پہنچاتی رہے، بلا لحاظ اس کے کہ وہ خود اپنے مال سے، یا اپنی محنت کے ذریعہ کسب مال کرکے ان ضروریات کو پورا کر سکتا ہے یا نہیں جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے، عام حالات میں عام افراد ان ضروریات کو خود اپنے بل بوتے پر پورا کرتے رہیں گے، بقدر ضرورت مال نہ حاصل کر سکنے والے افراد کو اپنے خاندان یا عام افراد اجتماع سے اتنی مدد مل سکے گی کہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں صنعتی کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو عارضی بے روزگاری، مرض، بڑھاپے یا کسی حادثہ کے سبب معذور ہو جانے کی حالت میں کارخانہ یا متعلقہ صنعت سے اتنا امدادی وظیفہ دلانے کا اصول بنایا جا سکتا ہے جو ان کی ضروریات کے لیے کافی ہو۔ سماجی تحفظ کے ان انتظامات کو سامنے رکھتے ہوئے اس اصول کا منشاء یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے کوئی فرد ان انتظامات کے باوجود اس حال میں پایا جائے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل سے قاصر ہو تو بالآخر اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ وہ فرد ان وسائل حیات سے محروم نہ رہے جو ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے درکار ہیں۔ ریاست کو ایسا نظم قائم کرنا پڑے گا کہ محروم افراد اپنی محرومی کا ثبوت فراہم کرکے بآسانی اور بلا تاخیر اجتماعی خزانہ سے بقدر ضرورت مال حاصل کر سکیں، اور دار الاسلام کا کوئی باشندہ بھوکا، ننگا، بے ٹھکانا اور مرض کی حالت میں بے علاج نہ رہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول واضح فرما دیا ہے کہ اصحاب امر محروم افراد کی ضروریات کی تکمیل کے ذمہ دار ہیں، جیسا کہ ذیل کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

حدثنا سليمن بن عبد الرحمن الدمشقي	ہم سے سلیمان بن عبد الرحمن دمشقی نے بروایت یحییٰ بن
نا يحيىٰ بن حمزة قال حدثني ابن ابي مريم	حمزہ یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ مجھ
ان القاسم بن مخيمرة اخبره ان ابا مريم	سے ابن ابی مریم نے حدیث بیان کی ہے کہ قاسم بن
الازدي اخبره۔ قال: دخلت على معاوية	مخیمرہ نے انھیں خبر دی ہے کہ ابو مریم الازدی نے
فقال ما انعمنا بك ابا فلانٍ۔ وهي كلمة	ان سے کہا ہے کہ میں معاویہ کے پاس گیا۔ انہوں نے کہا:

تقولها العرب۔ فقلت حديثا سمعته اخبرك به۔ سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلّم يقول: من ولّاه الله عز وجل شيئًا من امور المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخلّتهم وفقرهم احتجب الله تعالىٰ عنه دون حاجته وخلّته وفقره"۔

ابو فلاں! کیسے تشریف لائے؟ میں نے کہا آپ کو ایک حدیث سنانے آیا ہوں جسے میں نے سنا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "جسے اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہو کر بیٹھ رہا، اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔"

قال: فجعل رجلًا على حوائج الناس[1]

راوی کہتا ہے کہ معاویہ نے یہ سن کر ایک آدمی کو عوام کی ضروریات (پوری کرنے) پر مامور کر دیا۔

حدثنا احمد بن منيع ثنا اسمعيل بن ابراهيم قال ثني علي بن الحكم ثني ابو الحسن قال قال عمرو بن مرة لمعاوية اني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ما من امام يغلق بابه دون ذوي الحاجة والخلة والمسكنة الا اغلق الله ابواب السماء دون خلّته وحاجته ومسكنته فجعل معاوية رجلًا على حوائج الناس[2]

ہم سے احمد بن منیع نے حدیث بیان کی ہے کہ ہم سے اسمٰعیل بن ابراہیم نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ مجھ سے علی بن الحکم نے حدیث بیان کی ہے کہ مجھ سے ابوالحسن نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ: عمرو بن مرہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ: "جو امام ضرورتمندوں، فقراء اور مساکین پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے اللہ اس کی ضروریات پر آسمان کے دروازے بند کر لیتا ہے۔" (یہ سن کر) معاویہ نے ایک آدمی کو عوام کی ضروریات (پوری کرنے) پر مامور کر دیا۔

[1] ابوداؤد۔ کتاب الخراج والفئ والامارۃ۔ باب فیما یلزم الامام من امر الرعیۃ والاحتجاب عنہم۔

[2] ترمذی۔ کتاب الاحکام۔ باب ما جاء فی امام الرعیۃ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ اگر صاحبِ امر ضرورت مند افراد کی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی مول لے گا۔ یہ وعید اس بات کے لیے کافی ہے کہ تکمیلِ ضروریات کو اسلامی ریاست کی ذمہ داری قرار دیا جائے یہی وجہ ہے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فرمانِ نبویؐ کے ذریعہ ان کی ذمّہ داری یاد دلائی گئی تو انہوں نے ضروری سمجھا کہ اس کو پورا کرنے کا اہتمام کریں۔

اسلامی ریاست کی اس ذمّہ داری کی اہمیت کا اندازہ خلافت کی اس تعریف سے بھی کیا جا سکتا ہے جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کی ہے اور جسے سُن کر کعب احبار رضی اللہ عنہ نے اس کی تصویب فرمائی ہے۔

عن سلمان قال: ان الخلیفۃ ھو الذی یقضی بکتاب اللہ ویشفق علی الرعیۃ شفقۃ الرجل علی اھلہ فقال کعب الاحبار۔ صدق[۱]

سلمان (فارسی) نے کہا، خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرے اور رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل و عیال پر شفقت کرتا ہے یہ سُن کر کعب احبار نے کہا "سچ کہا"

رعایا کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کا اہتمام دراصل اس خیر خواہی کے اندر شامل ہے جو صاحبِ امر پر لازم قرار دی گئی ہے۔ جو صاحبِ امر رعایا کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتے اس کا اُخروی انجام بُرا ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

" ما من عبدٍ یسترعیہ اللہ رعیۃ فلم یحطھا بنصیحۃ لم یجد رائحۃ الجنۃ "[۲]

جس بندہ کو اللہ نے کسی رعایا کا حکمراں بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری طرح خیر خواہی نہ برتی وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ بات خیر خواہی کے اوّلین تقاضوں میں سے ہے کہ جن ضروریات کی عدم تکمیل

---

[۱] ابو عبید۔ کتاب الاموال طبع قاہرہ ۱۳۵۳ھ صفحہ ۶ نمبر ۱۲

[۲] بخاری۔ کتاب الاحکام۔ باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح

سے آدمی کی جان ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو ان کو پورا کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

شریعت نے اسلامی ریاست کو اپنے تمام شہریوں کا ولی (سرپرست) قرار دیا ہے۔ اس سرپرستی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ افراد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اللہ ورسولہ مولیٰ من لا مولیٰ له [1] — جس کا سرپرست کوئی نہ ہو اس کا سرپرست اللہ اور اس کا رسول ہے۔

السلطان ولی من لا ولی له [2] — جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کی سرپرست حکومت ہے

یہ بات کہ یہ سرپرستی صرف نکاح کے معاملہ تک محدود نہیں بلکہ ایک عمومی سرپرستی ہے جس میں رعایا کی ضروریات کی تکمیل بدرجۂ اولیٰ شامل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خط سے صاف ظاہر ہے جو آپ نے ایک نومسلم قبیلہ کے سردار زرعہ بن ذی یزن کے نام لکھا تھا، آپ سردار کے توسط سے اس کے قبیلہ "حمیر" کے لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

وانّی امرکم یا حمیر خیرًا، فلا تخونوا، ولا تخاذلوا، وانّ رسول اللہ مولیٰ غنیکم وفقیرکم وان الصدقة لا تحل لمحمد ولا لاهله، انما هی زکاة تزکّون بها لفقراء المؤمنین [3]... — اہل حمیر میں تمہیں بھلی روش اختیار کیے رہنے کی تلقین کرتا ہوں۔ نہ خیانت کرنا اور نہ مخالفانہ روش اختیار کرنا۔ اللہ کا رسول تمہارے امیر اور غریب تمام لوگوں کا سرپرست ہے۔ صدقہ کا مال محمد یا اس کے گھر والوں کے لیے جائز نہیں ہے بلکہ یہ زکاۃ ہے جسے تم (اپنی پاکیزگی کے لیے) غریب مسلمانوں کے لیے نکالتے ہو۔

اس خط میں اہل حمیر کو یہ بتایا گیا ہے کہ ان سے ان کے مال کا جو حصہ بطور زکوٰۃ وصول کیا جائے گا

---

[1] ترمذی، ابواب الفرائض باب ماجاء فی میراث الخال

[2] ایضاً ابواب النکاح۔ باب ماجاء لا نکاح الا بولی اور ابوداؤد کتاب النکاح۔ باب الولی

[3] ابوعبید۔ کتاب الاموال۔ صفحہ ۲۰۲ نمبر ۵۱۶

وہ صدرِ ریاست کے ذاتی مصرف میں نہیں آئے گا بلکہ ضرورت مند مسلمانوں کو دیا جائے گا ان کو اطاعت ترک کر کے سرکشی کی روش اختیار کرنے یا امانت ترک کر کے ادائے عشر و زکوٰۃ میں خیانت کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ جو فرد بھی ضرورت یا مصیبت سے پریشان ہوگا، خواہ وہ امیر ہو یا غریب، اللہ کا رسول اس کو سہارا دینے کے لیے موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں رسول اللہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حیثیت پیشِ نظر ہے جو اسلامی ریاست کے صدر کے طور پر آپ کو حاصل تھی۔ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو ایک خط لکھا تھا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اللہ ورسولہ مولیٰ من لا مولیٰ لہ" کا حوالہ دے کر ریاست کی ذمہ داری کی طرف اشارہ کیا تھا۔[۳]

اس "سرپرستی" میں بنیادی ضروریات کے علاوہ، بشرطِ گنجائش، افراد کی دوسری ضروریات کی تکمیل بھی داخل ہو جاتی ہے۔ فتوحات کے بعد جب بیت المال میں کافی مال آنے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرما دیا کہ جو لوگ مقروض ہوں اور وفات پا جائیں ان کے قرضے اسلامی ریاست کے خزانے سے ادا کیے جائیں گے۔ فرمایا:-

انا اولیٰ بالمومنین من انفسھم فمن توفیٰ وعلیہ دین فعلیّ قضاءہ[۲]	میں مسلمانوں سے اُن کے اپنے افراد کی بہ نسبت زیادہ قریب ہوں پس جو مقروض وفات پائے اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی۔
.... فلما فتح اللہ علیہ الفتوح قال: "انا اولیٰ بالمومنین من انفسھم فمن توفیٰ من المومنین فترک	.... پھر جب اللہ نے آپ پر فتوحات کا دروازہ کھول دیا تو آپ نے فرمایا: "میں مسلمانوں سے اُن کے اپنے افراد کی بہ نسبت زیادہ قریب ہوں لہٰذا جو مسلمان

۲؎ ملاحظہ ہو۔ ترمذی۔ ابواب الفرائض۔ باب ما جاء فی میراث الخال

۳؎ ابو عبیدہ۔ کتاب الاموال صفحہ ۲۲۰

دیناً فعلیّ قضاءہ ومن ترك مالاً فلورثتہ[1]

قرض چھوڑ کر وفات پائے اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کیلئے ہوگا

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قرض کے علاوہ دوسری ذمہ داریوں مثلاً بے سہارا اہل و اولاد کی کفالت کے سلسلہ میں بھی یہی اعلان فرمایا۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من ترك مالاً فلاھلہ ومن ترك ضیاعاً فالیّ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مال چھوڑ جائے تو وہ مال اس کے گھر والوں کے لیے ہے اور جو کسی کو بے سہارا چھوڑ جائے تو اس کی ذمہ داریاں میرے سر ہوں گی۔

ھذا حدیث حسن صحیح . . .

(امام ترمذی فرماتے ہیں) یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

. . . ومعنی قولہ ترك ضیاعاً یعنی ضائعاً لیس لہ شئ، فالیّ، یقول انا اعولہ وانفق علیہ[2]

. . . ترک ضیاعاً کے معنی یہ ہیں کہ اس حال میں چھوڑ جائے کہ اس (بچے وغیرہ) کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ فالیّ کے معنی یہ ہیں کہ میں اس کی کفالت کرونگا اور اس پر مال خرچ کرونگا

اسی مفہوم کی ایک حدیث ابوعبید نے حضرت مقدام بن معدی کرب سے روایت کی ہے جس سے بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترك مالاً فلورثتہ ومن ترك كلاً فالیَ اللہ وربما قال: فالی اللہ ورسولہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو متوفی مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے اور جو ذمہ داریاں چھوڑ کر مرے وہ اللہ کے ذمہ ہیں اور کبھی یہ فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ ہیں۔

---

[1] بخاری کتاب النفقات۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ترک کلاً او ضیاعاً فالیّ۔ یہی حدیث بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ مسلم، ترمذی اور نسائی میں بھی آئی ہے۔

[2] ترمذی۔ ابواب الفرائض۔ باب ما جاء من ترک مالاً فلورثتہ۔

قال ابو عبید: الکل عندنا کل عیّلٍ، والذریہ منھم[1] — ابو عبید کہتا ہے کہ ہمارے نزدیک "کل" میں وہ تمام افراد شامل ہیں جنکی کفالت متوفی کے ذمہ ہو اور بچے بھی اسمیں شامل ہیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو افراد اسلامی ریاست کی صدارت کے منصب پر فائز ہوئے ان کو اپنی ان وسیع ذمہ داریوں کا پورا شعور تھا۔ اس حقیقت پر خلافتِ راشدہ کی پوری تاریخ گواہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ذمہ داریاں گنا تے ہوئے ایک عام خطبہ میں یہ فرمایا تھا:۔

ایھا الناس ان اللہ قد کلّفنی ان اصرف عنہ الدعاء[2] — لوگو! اللہ نے مجھے اس بات کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ میں اس کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو روکوں۔

اس ارشاد کی تشریح کرتے ہوئے مشہور شافعی فقیہ ابو محمد عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام (م ۶۶۰ ھ) لکھتے ہیں:

"اللہ کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو روکنے کا مطلب یہ ہے کہ امام ظالموں کے مقابلہ میں مظلوموں کے ساتھ انصاف کرے، اور ان کو اس بات کی ضرورت نہ پڑنے دے وہ اللہ سے انصاف کے طالب ہوں۔ اسی طرح وہ لوگوں کی ضروریات اور حاجتیں پوری کرے تاکہ ان کو اس کی ضرورت باقی نہ رہے کہ رب العالمین سے ان کی تکمیل کے طالب ہوں۔ حکمرانوں پر مسلمانوں کے جملہ حقوق کے بیان میں یہ جملہ کتنا جامع اور واضح ہے[3]۔"

اسی اصول کا اعلان حضرت عمرؓ نے اس وقت بھی فرمایا تھا جب آپ سعد بن مالک الزہریؓ کو عراق کا امیر بنا کر بھیج رہے تھے۔

انی بینکم و بین اللہ ولیس بینی و بینہ احدٌ، وان اللہ — تمہارے اور اللہ کے درمیان میں ہوں اور میرے اور اللہ کے درمیان کوئی بھی نہیں۔ اللہ نے میرے لیے ضروری قرار

---

[1] ابو عبید: کتاب الاموال صفحہ ۲۳۷

[2] ابو محمد عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام: قواعد الاحکام فی مصالح الانام۔ مکتبۃ حسینیہ مصر۔ طبع ۱۹۳۴ء جلد اول صفحہ ۱۴۸

[3] ایضاً

قد الزمنی دفع الدعاء عنہ فانھوا
شکاتکم الینا فمن لم یستطع فالی
من یبلغنا ھا ناخذ لہ الحق غیر
متعتع لہ

دیا ہے کہ میں اس کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو
روکوں لہٰذا تم لوگ اپنی شکایتیں میرے پاس بھیجو۔ جو
خود ایسا نہ کر سکے وہ کسی ایسے آدمی تک بات پہنچا دے جو اسے
مجھ تک پہنچا سکے تو ہم اس کا حق بغیر کسی تذبذب کے وصول کرا دیں گے

عوام کی معاشی ضروریات کی تکمیل کا امیرالمومنین کو کتنا خیال تھا اس کا اندازہ اس خطبہ سے بھی کیا جا سکتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے بعد عوام کے سامنے دیا تھا۔ اس میں آپ نے فرمایا۔

انی حریص علی ان لا اری حاجۃ
الا سددتھا ما اتسع بعضنا لبعض فاذا
عجز ذلک عنا تآسینا فی عیشنا حتی
نستوی فی الکفاف ولوددت انکم
علمتم من نفسی مثل الذی وقع
فیھا لکم، ولست معلمکم الا بالعمل۔
انی واللہ لست بملک فاستعبدکم و
لکنی عبد اللہ عرض علی الامانۃ فان
ابیتھا ورددتھا علیکم واتبعتکم
حتی تشبعوا فی بیوتکم وترووا
سعدت بکم وان انا حملتھا
واستتبعتکم الی بیتی شقیت

مجھے اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی کوئی
ضرورت دیکھوں اسے پورا کر دوں، جب تک کہ ہم
سب مل کر اسے پورا کرنے کی گنجائش رکھتے ہوں جب
ہمارے اندر اتنی گنجائش نہ رہ جائے تو ہم باہمی امداد کے
ذریعہ گزر اوقات کریں گے، یہاں تک کہ سب کا معیار زندگی
ایک سا ہو جائے۔ کاش تم جان سکتے کہ میرے دل میں
تمہارا کتنا خیال ہے۔ لیکن میں یہ بات تمہیں عمل کے ذریعہ
ہی سمجھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم میں بادشاہ نہیں کہ تم کو
غلام بنا کر رکھوں بلکہ ایک بندۂ خدا ہوں (حکمرانی کی) یہ
امانت میرے سپرد کی گئی اب اگر میں اسے اپنی ذاتی ملکیت
نہ سمجھوں بلکہ تمہاری چیز ہے تمہاری طرف واپس کر دوں اور
تمہارے پیچھے پیچھے (خدمت کے لیے) چلوں یہاں تک کہ تم اپنے گھروں

لہ طبری۔ تاریخ ص ۲۲۲ (حوادث ۱۴ھ)، ابن کثیر: البدایہ والنہایہ جلد ۷، صفحہ ۲۶

یکم[1]

میں سیر ہو کر کھا پی سکو تو تمہارے ذریعہ میں نیک بخت بن جاؤنگا اور اگر میں اسے اپنا بنا لوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے پھینے اور اپنے گھر آنے پر مجبور کروں تو تمہارے ذریعہ میرا انجام خراب ہوگا۔

اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی حکمرانوں نے اسلامی ہدایات کو اپنا رہنما بنایا، اُس نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا اور اس کا اعلان کیا۔

جب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ کفالتِ عامہ کی ذمہ داری کی گرانباری محسوس کر کے رونے لگے۔

قالت فاطمة امراته: دخلت عليه وهو فى مصلاه ودموعه تجرى على لحيته فقلت أحدث شئ؟ فقال: انى تقلدت امر امة محمد فتفكرت فى الفقير الجائع والمريض الضائع، والغازى، والمظلوم المقهور، والغريب الاسير والشيخ الكبير وذى العيال الكثير والمال القليل، واشباههم فى اقطار الارض فعلمت ان ربى سيسألنى عنهم يوم القيامة وان خصمى دونهم محمد صلى الله عليه وسلم

ان کی بیوی فاطمہ کہتی ہیں کہ ایک بار میں آپکے پاس گئی آپ جائے نماز پر تھے اور آنسو ٹپک ٹپک کر ڈاڑھی کو تر کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا کیا بات ہو گئی۔ آپکے فرمایا میں نے پوری اُمّت محمدیہ کی ذمہ داری لے لی ہے لہٰذا میں بھوکے فقیروں، بے سہارا مریضوں، مجاہدین، مظلوم اور ستم رسیدہ افراد، غریب الدیار قیدیوں، بہت بوڑھے افراد اور ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جو بکثرت اہل و عیال والے ہیں مگر مالدار نہیں ہیں، اور مختلف علاقوں میں اسی قسم کے دوسرے افراد کے بارے میں متفکر تھا مجھے احساس ہوُا کہ عنقریب قیامت کے دن اللہ مجھ سے ان سب کے بارے میں پوچھے گا اور اللہ کے حضور میرے مقابلہ میں ان لوگوں کے وکیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہونگے

[1] ابن کثیر: البدایہ والنہایۃ جلد ۹ صفحہ ۲۰۶، اور طبری صفحہ ۲۳۶۸ حوادث سنہ ۱۰۱ھ

الی اللہ فخشیت ان لا تثبت حجتی عند الخصومۃ فرحمت نفسی فبکیت[1]	مجھے ڈر لگا کہ جرح میں میری بات نہ ثابت ہو سکے گی اور میں اپنے اوپر ترس کھا کر رونے لگا۔

نہ صرف یہ کہ آپ کو اپنی ان وسیع ذمہ داریوں کا پورا شعور تھا، بلکہ آپ نے واضح طور پر اعلان کر دیا تھا کہ:

وما احدٌ منکم تبلغنی حاجتہ الّا حرصت ان اسدّ من حاجتہ ما قدرت علیہ[2]	تم میں سے جس کسی کی بھی کسی ضرورت کا علم مجھے ہوگا اس کی ضرورت پوری کرنے میں حتی الامکان پوری کوشش کروں گا۔

اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ اسلامی ریاست کے شہری اپنے حکمرانوں کی اس ذمہ داری سے واقف تھے۔ اور وقت آنے پر ان کو اس ذمہ داری کی ادائیگی کی طرف متوجہ بھی کرتے تھے۔ اوپر ہم نے امیر معاویہ کے عہد کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ ذیل کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا تھا۔

"عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں ایک زبردست قحط پڑا تو عرب کے کچھ لوگ ایک وفد کی شکل میں آپ کے پاس آئے۔ انہوں نے آپ سے گفتگو کرنے کے لیے ایک آدمی کو منتخب کر لیا اس شخص نے کہا: "اے امیر المومنین ہم ایک شدید ضرورت کے سبب آپ کے پاس آئے ہیں۔ ہمارے جسم کی چمڑی سوکھ گئی کیونکہ اب ہڈیاں بھی نہیں میسر آتیں اور ہماری مشکل کا حل صرف بیت المال کے ذریعہ ممکن ہے۔ اس مال کی حیثیت تین میں سے ایک ہی ہو سکتی ہے۔ یا تو یہ خدا کے لیے ہے، یا بندگان خدا کے لیے، یا آپ کے لیے اگر یہ خدا کے لیے ہے تو خدا کو اس کی کوئی ضرورت نہیں اگر بندگان خدا کے لیے ہے تو اسے

[1] ابن اثیر الکامل جلد ۵ ص ۲۴، نیز ملاحظہ ہو ابو یوسف: کتاب الخراج طبع قاہرہ ۱۳۴۶ھ صفحہ ۱۰

[2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکیم تحقیق احمد عبید طبع ۱۳۷۴ھ بحوالہ اشتراکیۃ الاسلام مصنفہ مصطفیٰ السباعی صفحہ ۲۴۹ طبع دمشق ۱۹۶۰ء

ان کو دے دیجیے اور اگر آپ کا ہے تو صدقہ کے طور پر ہمیں دے دیجیے۔ اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزائے خیر دے گا۔"

یہ سن کر عمر بن عبدالعزیز کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور آپ نے فرمایا کہ اس کی حیثیت وہی ہے جس کا ذکر تم نے کیا ہے اور حکم دے دیا کہ ان لوگوں کی ضروریات بیت المال سے پوری کی جائیں[۱]۔

کفالتِ عامہ کے فریضہ کی عملاً انجام دہی کی متعدد مثالیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ملتی ہیں۔ جب آپ شام تشریف لے گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بڑے موثر انداز میں آپ کو یہ بتایا کہ عوام بھوک سے پریشان ہیں۔ آپ نے فوراً مقامی حکام کو حکم دیا کہ ہر مسلمان کے لیے بقدر کفایت غذائی اجناس فراہم کریں[۲]۔

۱۸ھ کا مشہور قحط جس کی وجہ سے اسلامی تاریخ میں اس سال کا نام عام الرمادہ پڑ گیا ہے قرن اول کی اسلامی ریاست کے لیے ایک آزمائشی موقع تھا۔ اس موقع پر صدر ریاست سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جس احساس ذمہ داری، چستی اور تندہی، اور حسنِ انتظام کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کیں وہ ہمیشہ مسلمان حکمرانوں کے لیے ایک نمونہ رہے گا۔ اس قحط کی تفصیلی روداد تو تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہاں اتنا بتانا کافی ہے کہ قحط اتنا شدید تھا کہ نو مہینے تک پورے حجاز میں فقر و فاقہ کا دور دورہ تھا۔ خشک سالی کے سبب پیداوار نہیں ہوئی تھی اور دیہات کی آبادی کا ایک بڑا حصہ شہروں بالخصوص مدینہ میں آبسا تھا کہ شاید وہاں سدِ رمق کا اہتمام ہو سکے اور فاقہ کشی کی موت سے بچ سکیں۔ باوجود ہر طرح کے اہتمام کے فاقہ کی وجہ سے بکثرت موتیں ہوئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں غذائی اجناس کی عام تقسیم، اور سرکاری طور پر ہزاروں افراد

---

[۱] امام غزالی: التبر المسبوک فی نصائح الملوک۔ علیٰ ہامش سراج الملوک۔ لابی بکر محمد بن محمد ابن الولید الفہری الطرطوشی المالکی۔ مطبعہ خیریہ۔ مصر ۱۳۰۶ھ صفحہ ۶۱-۶۲

[۲] ابوعبید۔ کتاب الاموال صفحہ ۲۴۶۔ نیز ملاحظہ ہو صفحہ ۲۴۷، ۲۴۸

کے لیے کھانا پکوا کر دونوں وقت کھلانے کا انتظام کیا۔ دوسرے علاقوں اور شام جیسے دور دراز ممالک سے غلہ، آٹا، چربی، تیل وغیرہ اشیاءِ ضرورت کو اونٹوں کے لمبے لمبے قافلوں پر بار کرا کے منگوایا اور ہزاروں کی تعداد میں مویشی اور اونٹ باہر سے منگوا کر ذبح کرائے۔ پورے قحط زدہ علاقہ میں لوگوں کو اذنِ عام دے دیا کہ ان قافلوں سے ضرورت کے مطابق چیزیں لے لیں۔ آپ نے قحط اور فاقہ کی بلا کا مقابلہ اُس اہتمام کے ساتھ کیا کہ جس طرح بڑی بڑی جنگیں لڑی جاتی ہیں۔ ان انتظامات کی آپ شخصی طور پر نگرانی کرتے تھے، اور کام کرتے کرتے آپ کی حالت ایسی ہو گئی کہ بعد میں لوگ یہ کہہ اُٹھے کہ

لو لم یرفع اللہ المحل عام الرمادة لظننا ان عمر یموت همًّا بامر المسلمین۔

اگر اللہ عام الرمادہ میں قحط نہ دور کر دیتا تو ہمیں اندیشہ تھا کہ عمر مسلمانوں کے اس مسئلہ کی فکر کرتے کرتے مر جائیں گے۔

دن بھر ان کاموں میں مصروف اور پریشان رہتے، پھر راتوں میں رزاقِ مطلق اور رب العالمین کے حضور سجدہ ریز ہو کر دعائیں کرتے، اور خود عام مسلمانوں کی مصیبت میں پوری طرح شریک ہونے کی خاطر گھی اور گوشت کا استعمال ترک کر دینے کے سبب آپ کی صحت خراب ہو گئی اور رنگ سیاہ پڑ گیا۔[1]

کفالتِ عامہ کی ذمہ داری کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تصور اتنا وسیع اور ہمہ گیر تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ اگر کوئی جانور بھی بھوک کی وجہ سے مر گیا تو مجھے اندیشہ ہے اللہ تعالیٰ کے حضور مجھے اس کے لیے جواب دِہ ہونا پڑے گا!

لو مات جملٌ ضیاعا علی شط الفرات لخشیت ان یسألنی اللہ عنه[2]

اگر شط الفرات میں کوئی اونٹ بے سہارا ہو کر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلب کرے گا

---

[1] مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو محمد ابن سعد: الطبقات الکبریٰ۔ طبع بیروت ۱۹۵۷ء جلد ۳ صفحات ۳۱۰ تا ۳۲۲، طبری تاریخ واقعات ۱۸ھ اور ابن کثیر: البدایہ والنہایہ۔ جلد ۷ صفحہ ۹۰-۹۲

[2] محمد بن سعد۔ بحوالہ بالا صفحہ ۳۰۵، تاریخ طبری طبع بریل (لیدن)، ۱۸۹۳ء صفحہ ۲۷۳۸ (واقعات ۲۳ھ)

لو مات کلب علی شاطی الفرات جوعًا لکان عمر مسئولا عنه یوم القیامة[1]

اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مرجائے تو قیامت کے دن عمر سے اس کے بارے میں جواب طلبی ہوگی۔

وکان یقول لو ضاعت شاةٌ بالفرات لخشیت ان اُسال عنها یوم القیامة[2]

آپ فرمایا کرتے تھے اگر فرات کے کنارے کوئی بکری بھی ضائع ہوجائے تو مجھے اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلب کیا جائے گا۔

کفالتِ عامّہ اور قیامِ عدل کی ذمہ داریوں کو تمام وکمال سے ادا کرنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ ایک سال تک پوری اسلامی مملکت کا دورہ کرکے حالات کا جائزہ لیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

"اگر میں زندہ رہا انشاء اللہ، تو ایک سال تک اپنی رعایا کے درمیان دورہ کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ عوام کی بعض ضروریات ایسی ہیں جن کی خبر مجھ تک نہیں پہنچ پاتی۔ ان کے مقامی حاکم مجھے ان ضروریات سے باخبر نہیں رکھتے اور خود وہ لوگ مجھ تک پہنچ نہیں پاتے۔ میں پہلے شام جاؤں گا اور وہاں دو ماہ ٹھیروں گا۔ پھر الجزیرہ جاؤں گا اور وہاں دو مہینہ قیام کروں گا۔ پھر مصر جاؤں گا اور وہاں بھی دو مہینہ تک رہوں گا۔ پھر بحرین جاؤں گا اور دو مہینہ وہاں رہوں گا، پھر کوفہ جاؤں گا اور وہاں دو مہینہ قیام کروں گا۔ پھر بصرہ جاؤں گا اور دو ماہ وہاں ٹھیروں گا۔ خدا کی قسم یہ سال کتنا اچھا ہوگا۔"[3]

مگر شہادت نے آپ کو اس پروگرام کے مطابق عمل کرنے کا موقع نہ دیا۔ خود مدینہ میں آپ اہلِ حاجت

---

[1] توفیق الرحمٰن، مطبوعہ مصر صفحہ ۴۴ بحوالہ اسلام کا زرعی نظام مصنفہ مولانا محمد تقی امینی صفحہ ۵۵

[2] محمد بن محمد بن احمد القرشی المعروف بابن الاخوة: کتاب معالم القربة فی احکام الحسبة طبع لندن ۱۹۳۸ء صفحہ ۲۱۶

[3] طبری تاریخ۔ بحوالہ الاصفحہ ۱۸۹۳ (حوادث ۲۳ھ)

کا پتہ لگانے اور اُن کی حاجت روائی کا اہتمام کرنے کے لیے راتوں میں گشت لگایا کرتے تھے[1]

آپ اپنے ماتحت حکام اور والیوں کو بھی اس ذمہ داری کی طرف متوجہ کرتے رہتے تھے۔ بصرہ کے والی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جب ایک وفد کے ساتھ آپ سے ملاقات کے لیے آئے تو آپ نے ان لوگوں کو ہدایت کی کہ

الا واوسعوا الناس فی بیوتهم واطعموا عیالهم[2]

سنو! لوگوں کے گھروں میں ان کے لیے فراخی کا سامان فراہم کرو اور اُن کے متعلقین کو کھلانے کا سامان کرو۔

کفالتِ عامّہ کی ذمہ داری صرف مسلمان شہریوں تک محدود نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ غیر مسلم رعایا کو بھی اس سلسلہ میں وہی حیثیت حاصل تھی جو مسلمانوں کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے نگراں کو ہدایت کی تھی کہ ضرورت مند اہلِ ذمہ کا پتہ لگا کر ان کی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔

مرّ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه بباب قوم وعلیه سائل یسأل شیخ کبیر ضریر البصر، فضرب عضده من خلفه وقال: من ای اهل الکتاب انت؟ فقال یهودی۔ فقال ما الجأك الی ما اری؟ قال اسأل الجزیة والحاجة والسن۔ قال فاخذ عمر بیده وذهب به الی منزله فرضخ له بشیء من المنزل ثم ارسل الی خازن بیت المال فقال: انظر هذا وضرباءه فواللّٰه ما انصفناه ان اکلنا شبیبته ثم نخذله

عمر بن الخطاب کا گذر کسی کے دروازہ پر ہوا جہاں ایک سائل بھیک مانگ رہا تھا، ایک بوڑھا آدمی جس کی بصارت زائل ہو چکی تھی، آپ نے پیچھے سے اس کے بدن کو ٹھونکا اور پوچھا تم کس مذہب کے اہلِ کتاب ہو؟ اس نے جواب دیا کہ یہودی ہوں۔ آپ نے پوچھا: تمہیں کس چیز نے ایسا کرنے پر مجبور کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں بڑھاپے، ضرورتمندی اور جزیہ کی وجہ سے بھیک مانگ رہا ہوں۔ راوی کہتا ہے کہ عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے گھر لے گئے اور اپنے گھر سے اسے کچھ دیا پھر آپ نے بیت المال کے خزانچی کو بلوایا، اور اُن سے کہا: اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو کیونکہ خدا کی قسم یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ہم ان کی جوانی میں ان سے (جزیہ وصول کریں)

---

[1] ایضاً صفحہ ۳۴۴، ۲۷ (حوادث ۲۳ھ)   [2] طرطوشی: سراج الملوک بحوالہ بالا۔ صفحہ ۱۰۹

عند الهرم[1] کھائیں اور بڑھاپے میں انھیں بلا سہارا چھوڑ دیں۔

شام کے سفر میں آپ کو راستہ میں کچھ عیسائی ملے جو جذام میں مبتلا تھے۔ آپ نے ان کی معذوری کے پیشِ نظر ان کے لیے روزینہ جاری کرنے کا حکم دے دیا[2]

غیر مسلم رعایا کی ضروریات کی تکمیل کا یہ اہتمام صرف حضرت عمرؓ کی شفقت کا نتیجہ نہ تھا بلکہ ابتدا ہی سے یہ اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک اہم اصول تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت خالد بن ولید نے اہلِ حیرہ کے ساتھ جو عیسائی تھے، جو معاہدہ کیا تھا اس کی ایک دفعہ یہ بھی تھی۔

وجعلت ايما شيخ ضعف عن العمل او اصابته آفة من الآفات او كان غنيًا فافتقر وصار اهل دينه يتصدقون عليه طرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين وعياله ما اقام بدار الهجرة و دار الاسلام[3]

میں نے ان کا یہ حق تسلیم کیا ہے کہ ایسا بوڑھا آدمی جو محنت کرنے سے معذور ہو جائے یا جس پر کوئی مرض یا مصیبت آ پڑے جو پہلے مال دار رہا ہو اور اب ایسا غریب ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینے لگیں اس کا جزیہ ساقط کر دیا جائے گا اور جب تک وہ دار الہجرۃ اور دار الاسلام میں رہیگا اس کے اور اس کے اہل و عیال کے جملہ مصارف مسلمانوں کے بیت المال سے پورے کیے جائیں گے۔

اوپر جو احادیث و آثار نقل کی گئی ہیں ان کا تعلق زیادہ تر غذا و مکان جیسی بہت ہی بنیادی ضروریات سے معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض احادیث میں ادائے قرض کا بھی ذکر آتا ہے، اور سرپرستی (ولایت) کی احادیث کا تعلق ہر طرح کی بنیادی ضروریات سے معلوم ہوتا ہے۔ بعض دوسری روایات سے غذا و مکان کے علاوہ دوسری ضروریات کی تکمیل کے اہتمام کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچوں کی تعلیم کے لیے معلم مقرر کیے تھے جن کو بیت المال سے تنخواہ دی جاتی تھی۔

[1] ابو یوسف: کتاب الخراج صفحہ ۱۵۰-۱۵۱ [2] بلاذری: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۵ [3] ابو یوسف: کتاب الخراج ص ۱۴۲

عن ابو ضنیف بن عطاء قال	وضنیف بن عطاء سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ
ثلاثة كانوا بالمدينة يعلمون الصبيان	مدینہ میں تین آدمی بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے اور عمر
وكان عمر بن الخطاب يرزق كل واحد	بن الخطاب ان میں سے ہر ایک کو ۱۵ درہم ماہانہ
منهم خمسة عشر درهماً كل شهر[1]	دیا کرتے تھے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے بیت المال سے مقروض افراد کے قرض ادا کرنے، غیر شادی شدہ غریب افراد کی شادی کے سلسلہ میں مالی امداد دینے کی ہدایت جاری کی تھی[2] آپ نے بھی دیہات کے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے تنخواہ دار معلم مقرر کیے تھے[3] اور قرآن کا علم حاصل کرنے والوں کے لیے وظیفے مقرر کیے تھے[4] آپ معذور مزمن مریضوں اور اندھوں کے لیے خادم فراہم کرتے تھے تاکہ وہ ان کی خدمت کریں[5] آپ نے کوفہ کے والی کو یہ بھی لکھا تھا کہ بیت المال کے فاضل مال سے ان غریب افراد کو امداد دی جائے جو شادی کرنے کے سلسلہ میں ضروری اخراجات کے لیے مال کے محتاج ہوں[6] آپ نے اپنے ایک عامل کو مسافر خانے بنوانے کا حکم دیا تھا جہاں مسافروں کو قیام و طعام مفت فراہم کیا جائے[7]

ان آثار و احادیث کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ محروم اہلِ حاجت کی حاجت روائی کا اہتمام کرے۔ سلطان کے فرائض پر اظہار خیال کرنے والے متعدد مفکرین نے اس فرض کی صراحت کی ہے۔ جن مفکرین نے اسے فرائض امیر میں نہیں شمار کیا ہے مثلاً ماوردی اور ابو یعلیٰ ان کے پیش نظر غالباً یہ مفروضہ رہا ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی تحصیل و تقسیم سے یہ مقصد تمام و کمال حاصل ہو جائے گا۔

---

[1] کنز العمال جلد ۲ [2] ابو عبید کتاب الاموال صفحہ ۲۵۱ [3] ایضاً صفحہ ۲۶۲

[4] ایضاً صفحہ ۲۶۱ [5] ابن عبد الحکیم: سیرۃ عمر بن عبد العزیز بحوالہ مصطفیٰ السباعی: اشتراکیۃ الاسلام صفحہ ۳۵۱ [6] ایضاً صفحہ ۳۵۲، نیز ابو عبید کتاب الاموال صفحہ ۲۵۱۔

[7] ابن اثیر: الکامل جلد ۶ صفحہ ۲۲۔

امام غزالی لکھتے ہیں:[1]

ويجب على السلطان انه متى وقعت رعيته في ضائقة وصلوا في شدة وفاقة ان يغيثهم لا سيما في اوقات القحط وغلاء الاسعار حيث يعجزون عن التعيش ولا يقدرون على الاكتساب فينبغي حينئذ للسلطان ان يغنيهم بالطعام ويسعدهم من خزانتهم بالمال۔

سلطان پر یہ واجب ہے کہ جب اس کی رعایا کسی تنگی میں مبتلا ہو جائے اور فاقہ و مصیبت سے دوچار ہو تو ان کی مدد کرے، بالخصوص قحط اور گرانی کے زمانہ میں کیونکہ ایسے حالات میں لوگ کسبِ معاش میں ناکام رہتے ہیں اور کچھ نہیں پیدا کر سکتے ایسے حالات میں سلطان کو چاہیے کہ ان کو کھانا فراہم کرے اور ان کے خزانے سے انہیں مال دے کر ان کی حالت بہتر بنائے۔

ایک دوسرے مصنف نے لکھا ہے:

ولا يدع فقيراً في ولايته الا اعطاه ولا مديوناً الا قضى عنه دينه ولا ضعيفاً الا اعانه، ولا مظلوماً الا نصره، ولا خائفاً الا امنه من الظلم، ولا عارياً الا كساه كسوة[2]

امیر کو چاہیے کہ اپنی ولایت کی حدود میں بسنے والے ہر مفلس کو (مال) دے، ہر مقروض کا قرض ادا کرے، ہر کمزور کو سہارا دے، ہر مظلوم کی مدد کرے ہر ظالم کو ظلم سے روکے، اور ہر ننگے کو کپڑا پہنائے۔

ایک دوسرے محقق نے لکھا ہے۔

"واضح رہے کہ ہر انسان کے لیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تین چیزیں مع اپنے لوازم کے ناگزیر ہیں، ان کے بغیر اس کے لیے زندگی کا قیام اور اپنے پروردگار کی عبادت کی طرف یکسوئی کے ساتھ توجہ اور بقاء نسل ممکن نہیں، لہٰذا امام کے لیے ضروری ہے

---

[1] امام غزالی: التبر المسبوک بحوالہ بالا صفحہ ۹۴ [2] سید علی زادہ حنفی شرح "شرعۃ الاسلام" بحث فرائض امیر بحوالہ "اسلام کا اقتصادی نظام" مصنفہ مولانا حفظ الرحمٰن طبع ۱۹۴۶ صفحہ ۱۲۴۔

کہ ان تین چیزوں کو ہر فرد انسانی کے اس کے حالات اور صلاحیتوں کی مناسبت سے فراہم کرے، امیر و غریب، مرد و عورت، سب کے لیے۔ ان میں پہلی چیز کھانا اور پینا ہے کہ یہ اس کی زندگی کا ذریعہ ہے، اس کے بغیر اس کا زندہ رہنا ممکن نہیں۔ دوسری چیز کپڑا ہے خواہ وہ روئی کا ہو یا اون وغیرہ کا، اور تیسری چیز نکاح ہے، کیونکہ یہ بقاء نسل کا ذریعہ ہے[1]

اس مسئلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ ہر فرد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل پورے اسلامی معاشرہ پر ایک فرض کفایہ ہے۔ اور فرض کفایہ کی بقدر کفایت تکمیل کی ذمہ داری بالآخر ریاست کے سر آتی ہے۔ یہ مقصد — ہر فرد کی بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل — جس حد تک افراد کے اپنے وسائل اور محنت، اور پھر معاشرہ کے رضاکارانہ تعاون سے نہ حاصل ہو سکے اس حد تک ریاست کو اپنے زیر اہتمام حاصل کرنا ہوگا تاکہ شریعت کا منشا پورا ہو جائے۔ بعض فقہاء نے اس اصولی بات کی صراحت بھی کر دی ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں[2]

"فرض کفایہ میں شامل ہے . . . مسلمانوں کی تکالیف دور کرنا۔ مثلاً ننگے کو کپڑا پہنانا اور بھوکے کو کھانا کھلانا، جبکہ یہ ضروریات زکوٰۃ اور بیت المال کے ذریعہ نہ پوری ہو رہی ہوں . . ."

منہاج کے شارح رملی اس بیان پر سوال اٹھاتے ہیں کہ

"کیا 'تکلیف دور کرنے' (دفع ضرر) سے مراد اس مقدار کی فراہمی ہے جس سے سد رمق ہو جائے یا بقدر کفایت فراہمی مراد ہے؟"

اور اس سوال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ:

"اس بارے میں دو رائیں ہیں، جن میں صحیح رائے دوسری ہے (چنانچہ ایسا لباس فراہم کرنا ضروری ہے جس سے پورا بدن ڈھک سکے، اور جو جاڑے اور گرمی کے حالات کے لیے موزوں ہو) نیز کھانے اور کپڑے کے ساتھ وہ چیزیں بھی شامل ہیں جو اتنی ہی ضروری ہوں، مثلاً طبیب کا معاوضہ، دوا کی قیمت، اور معذور کے لیے ملازم جیسا کہ ظاہر ہے"[3]

(باقی صفحہ ۶۴)

[1] مختار الکونین بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام مصنفہ مولانا محمد حفظ الرحمٰن طبع ۲ ۱۹۴۲ء ص ۱۵۲ تا ۱۵۴

[2] ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی: منہاج الطالبین طبع دار الاحیاء الکتب العربی۔ مصر ۱۳۴۲ھ ص ۱۲۵۔